ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.1(2024)
(January to March)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا جمالیاتی پہلو

The Aesthetic Aspect of Nazir Akbar Abadi's Poetry

ڈاکٹر تنویر الرحمٰن

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف چکوال، چکوال

ڈاکٹر ساجد اقبال

لیکچرر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف چکوال، چکوال

ڈاکٹر تنویر الاسلام

پنجاب ہائی وے پٹرول، فیصل آباد ریجن

Dr. Tanveer Ur Rehman

Assistant Professor, Department of Urdu, University of Chakwal, Chakwal

Dr. Sajid Iqbal

Lecturer, Department of Urdu, University of Chakwal, Chakwal

Dr. Tanveer Ul Islam

Punjab Highway Petrol, Faisalabad Region.

Abstract:

Nazir Akbar Abadi is an exponent poet of Aesthetic Aspect of Hind(Indo) Muslim Civilization.His poetry encapsulates all geners and Structures of poetry like ghazal,Qaseeda, shehr ashob, mukhammas, musaddas, and tarkeeb band etc.He has presented the public sentiments and culture in its original color and every aspect.The diversity of topics and detailing is at its climax in his poetry.The depiction of Natue is also present with all its revelations and beauties in Nazir's Verses.The narration of religious harmony and values is like a colorful bouquet in his poetry. The description of customs, fairs, festivals and rituals of Indian civilization without discrimination of color and creed found in Nazir's poetry is not manifested in any other Indian poet.No doubt Nazir has done full justice to the aesthetics of Hind Muslim civilization by presenting it From every side and angle.

Keywords: Poetry, Aesthetic, civilization, culture, Hind Muslim civilization, values, festivals, Nature, rituals, Structure.

ہند مسلم تہذیب کے جمالیاتی رُخ کی شعری نمائندگی کا ایک معتبر حوالہ نظیر اکبر آبادی کی شاعری ہے۔ اُنھوں نے ہندوستانی تہذیب کی عظمت اور اس کے جمال کو جس تنوع کے ساتھ شاعرانہ ساختوں اور ہیئتوں میں پیش کیا، اس کی مثال اردو شاعری میں بہت کم ملتی ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک مدت تک نظیر کی شاعری کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اردو زبان وادب کی تاریخیں اس غفلت کی نمایاں مثال ہیں۔ رام بابو سکسینہ نے کسی قدر نظیر کی شناخت کو واضح کرنے کی کوشش کی جس کی دیکھا دیکھی مجنوں گورکھپوری

اور احتشام حسین وغیرہ نے بھی نظیرؔ کی شاعرانہ حیثیت پر مضامین لکھے لیکن ترقی پسندوں نے نظیرؔ اکبر آبادی کے ساتھ وہ انصاف نہ کیا، جس کا وہ مستحق تھا۔ زیادہ تر ترقی پسند نقادوں نے بھی نظیر کی سیکولر ذہنیت ہی کو نمایاں کرنے پر زور لگایا۔ لیکن وسیع تر تناظر میں نظیر کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی البتہ نیاز فتح پوری نے ۱۹۴۰ء میں "نگار" کا ایک خصوصی نظیر نمبر نکالا، جس میں نظیر کے حوالے سے مختلف نوعیت کے مضامین شامل تھے اور نظیر کی شاعرانہ قدر و قیمت کا احاطہ کیا گیا۔ جمیل جالبی نے اُردو ادب کی تاریخ مرتب کی لیکن نظیرؔ اکبر آبادی کو انھوں نے بھی فراموش کر دیا۔ بحر حال جس فطرت اور تہذیبی جمال کو انھوں نے اپنی فن کارانہ مساعی سے حیاتِ ابدی عطا کی اسی نے اس کی بازیافت کو بھی ممکن بنایا۔

فی زمانہ جب کلچر کی خوب صورتیوں، تنوع، ساختوں، ہیئتوں اور امکانات کو بہت اہمیت دی جانے لگی ہے تو لا محالہ نظیرؔ اکبر آبادی ایک بہت بڑی تہذیب اور اس میں پھیلے مختلف طرح کے کلچروں کا نمائندہ شاعر ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قلی قطب شاہ، میر تقی میرؔ اور غالبؔ وغیرہ ہند مسلم تہذیب کی نمائندگی نہیں کرتے لیکن جس گہرائی، گیرائی اور وسعت کے ساتھ نظیر ہندوستانی مزاج اور فکر کی نمائندگی کا حق ادا کرتے ہیں وہ ان کے ہم عصر شعرا اور متاخرین میں سے بھی کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ شاید اس لیے رام بابو سکسینہ نے انھیں حقیقی ہندوستانی شاعر لکھا:

> "نظیرؔ ایک خالص ہندوستانی شاعر تھے کیونکہ ان کے خیالات، ان کی زبان، ان کے مضامین سب مقامی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔"(۱)

نظیر اکبر آبادی کو چٹکلے باز کہہ کر رد کر دیا گیا تھا لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ چٹکلے بازی ہر خاص و عام کا وصف نہیں۔ خدا یہ صفت بھی اپنے چند مخصوص بندوں کو عطا کر کے مخلوق خدا کے چہروں پر رونق بکھیرنے اور معاشرے کو نہال کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ نقادوں نے اگر نظیر کو چٹکلے باز کہا تو کچھ عجیب نہیں خود نظیرؔ نے بھی اپنے آپ کو چٹکلے باز ہی لکھا:

سب جانتے ہیں چٹکلے بازی نظیرؔ کی
اس کے تو ہر سخن میں ہے اے یار چٹکلا

چٹکلے باز دراصل اپنے سماج کی خوب صورتیوں کا عکاس ہے جس کا ظرف چوٹ کھا کر بھی دوسروں کو گلے لگا لیتا ہے۔ اس کی طبیعت کی رنگینی علاحدگی سے متنفر ہوتی ہے لہٰذا اتحاد اور وحدت کی جتنی بھی آوازیں ہیں وہ بالآخر اس کی آواز میں شامل ہو جاتی ہیں۔ نظیرؔ کی یہ خصوصیت اضافی ہے وگرنہ اس کی اصل پہچان تو اس کی شاعری ہے۔ اس کی چٹکلے بازی اور شاعری میں توازن ہے۔ یہ دونوں علاحدہ محاذوں پر عمل پیا نہیں بلکہ دونوں کا منتہائے نظر ایک ہی ہوتا ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی کی جزئیات نگاری حیرت کی حدود تک لا کھڑا کرتی ہے۔ الفاظ کا اتنا وسیع ذخیرہ ہے کہ لفظی مترادفات کے معاملے میں نظیرؔ میں کسی کمی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ نئے سے نئے لفظ گھڑنے میں بھی اس کو خوب ملکہ حاصل ہے۔ اس کا کلیات مختلف اصنافِ شاعری کے امتزاج کا خوب صورت نمونہ ہے۔ نیاز فتح پوری کا یہ کہنا بالکل درست ہے:

> "شاعری کے سلسلے میں نظیر کے یہاں کیا نہیں۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی، مسدس، ترجیع بند، مستزاد سبھی کچھ ہے اور ہر چیز اپنی جگہ لفظی اور معنوی حیثیت سے ایک جڑاہوا نگینہ نظر آتی ہے۔"(۲)

نظیر اکبر آبادی نے ہر اس لفظ کو برتا جو عوامی مزاج کا حصہ تھا، اس نے ذم کی پروا کیے بغیر حیات میں رقصاں کیفیتوں اور حالتوں کی جمالیات کو پہچانا۔ مصنوعی شائستگی کا جامہ اتار کر اس نے زندگی کے تمام رشتوں اور مزاجوں کو بغیر کسی لگی لپٹی کے پیش کر دیا۔ مصنوعی تفاخر اور شاعرانہ تعلیوں کے مارے ہوئے شاعروں کے برعکس نظیر نے اپنے زمانے کے معروف مضامین اور اندازِ بیان سے ٹکر لی۔ وہ آمد کا منتظر نہیں، نہ ہی کچھ مخصوص مضامین کو مرغوب رکھتا ہے۔ لطف اندوزی اس کا مطمعِ نظر ہے اور لطف اندازی کسی معمولی سے معمولی واقعے، حالت اور مشاہدے سے تخلیق و تلاش کر لینا اس کی نفسیات کا بنیادی رخ ہے۔ اس مشاہدے اور واقعہ کا اسلوب بیان خواص کی ذہنیت کا آئینہ دار نہیں۔ نہ خواص کی سائیکی کو مطمئن کرنے والا ہے بلکہ ہمہ رنگی اس کی اساسی صفت ہے۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ کی تمیز نہیں بلکہ سب کے تجربوں کی بُو باس موجود ہے۔ نظیرؔ اکبر آبادی کا قاری ایک حقیقی جہان سے آشنا بھی ہوتا ہے اور لطف اندوز بھی۔ یوں وہ جمالیاتی حظ اٹھا کر طمانیت کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگتا ہے:

> "نظیر زندگی کے جشن میں شریک ہیں۔ اس جشن میں شریک ہونے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ زندگی مختصر ہے زندگی سے مایوس نہیں ہوتے۔ اچھے ادب کی ایک بڑی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کی جمالیاتی تشریح اس طرح کرتا ہے کہ قاری زندگی کے تضاد اور انتشار کو سمجھنے اور تضاد اور انتشار کے تجربوں کو حاصل کرتے رہنے کے باوجود فن کار کے پیش کیے ہوئے تجربوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے اور جمالیاتی انبساط پاتا ہے۔" **(۳)**

نظیرؔ اکبر آبادی نے زندگی کی اصل فطرت کو تمام تر جمال و جلال کے ساتھ پیش کیا۔ یہ فطرت ہر آن تغیر پذیر ہے۔ اس کے ہر ہر رنگ میں ایسا وجد آشنا آہنگ برسرِ عمل ہے جس کو سمجھنے اور دیکھنے کے لیے بصیرت اور بصارت کا امتزاج لازمی امر کے طور پر درکار ہے۔ امتزاج جتنا گہرا محسوس ہو گا ان کی شاعری کا لطف بھی بڑھتا چلا جائے گا، وگرنہ عام سا قاری تو اس شاعری کے صرف مشاہداتی عمل کو ہی محسوس کر کے لطف اندوز ہو گا:

صحنِ چمن میں واہ واہ زرد کھلی تھی چاندنی
چاند بلوریں لیتا تھا اور کھلی تھی چاندنی
آیا تھا یار گلبدن پہن کے باد لازری
چمکے تھے تار تار میں مہ کی جھلک ذری ذری
بوس و کنار و جام و مے عیش و طرب ہنسی خوشی
اس میں کہیں سے یک مرغ ہجر نے بانگ دی
صبح ہوئی گجر بجا پھول کھلے ہوا چلی
یار بغل سے اٹھ گیا جی ہی کی جی میں رہ گئی **(۴)**

نظیرؔ اکبر آبادی کی شاعری میں زندگی کی فطری تصویریں اپنی تمام تر رعنائی اور دل کشی کے ساتھ انسان سے ہم کلام ہو کر اس کے ذوقِ ہمہ ہمی کو مہمیز کرتی ہیں۔ برسات، چاندنی، آندھی، آدمی نامہ اور اس قبیل کی دیگر بے شمار نظمیں زندگی کے اصل جمال کی آئینہ دار ہیں۔

"نظیر ایک حقیقت آگاہ شاعر تھا۔ زندگی اس سے سرگوشیاں کرتی تھی اور وہ اس حیات کو جانتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ زندگی کا لطف زندگی کو آزادانہ برتنے میں پوشیدہ ہے۔"(۵)

زندگی اور فطرت کے ساتھ ایک انسانی تعلق درد کا بھی ہے۔ زندگی کے ہر جمالیاتی تجربے کے ساتھ نظیر کی شاعری میں بھی ایک زیرِ سطح لہر درد کی رواں دواں ہے۔ لگتا ہے زندگی کی سرخوشی کے ساتھ درد کا ہر تعلق اس کے داخل کی یکسانیت کا علاج ہے۔ یہ علاج اظہار کے نئے در کھولتا ہے۔ کچھ کہہ چکنے کے بعد جو تسلی اور طمانیت ملتی ہے وہ نظیر کے کلام سے عیاں ہے:

ہے دنیا جس کا نام میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو یہ مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرتے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اورعدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے(۶)

مذہب، اخلاق اوراقدار کے متعلقات کا سحر انگیز رنگ ان کی شاعری کا خوب صورت نگینہ ہے۔ وہ عام معاشرتی، معاشی اور سماجی تصورات کے ساتھ مذہبی اخلاقیات اور قدروں کو اس طرح آمیز کرتے ہیں کہ ایک وجد آور کیفیت بہت دیر تک دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔ اس طرح کے اندازِ بیاں میں وہ ایک سادھو کا روپ دھار کر خوش الحانی کے ساتھ گیت کا ترنم چھیڑتے ہیں۔ اس ترنم کی لے پر ہندو مسلم سکھ عیسائی غرض کہ ہر مذہب و مسلک کا بندہ جھومتا دکھائی دیتا ہے۔ بے تعصبی اور ہمہ گیری کی اس آواز میں درد، سوز اور عبرت کا سماں اس دھرتی پر بسنے والے ہر فرد کے لیے ایک جیسا ہے۔ موت پر، دنیا، ہیچ ست وکار دنیا ہمہ ہیچ، کلجگ، رضا جوئی، رہے نام اللہ کا، زندگی اور موت وغیرہ جیسی نظمیں مذہب واخلاق کی روایت کو پیش کرنے والی نظمیں ہیں:

گر مہر سے بلاوے تو خوب جانتے ہیں
اور جور سے ڈبا دے تو ڈوب جانتے ہیں
ہم اس طرح بھی تجھ کو مرغوب جانتے ہیں
اور اُس طرح بھی تجھ کو محبوب جانتے ہیں
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور ووں بھی واہ وا ہے(۷)

لیکن یہ کوئی خشک واعظانہ نصائح نہیں ہیں بلکہ ان میں وحدت، قلندری، سرشاری اور بے خودی کا بیش بہا رس موجود ہے۔

"وہ اپنی ذات کو ہیئت اجتماعی میں ملا دیتا ہے۔ نظیر کی ہمدردیاں بہت وسیع ہیں لہٰذا اس کا فن زیادہ تر پروپیگنڈا یا وعظ و پند نہیں بنتا اس میں واعظانہ تلخی اور خشونت نہیں۔"(۸)

وحدت کی اس جمالیاتی فضا میں عشق و محبت کے نغمے بھی سننے کو ملتے ہیں لیکن ان میں تفکر و تدبر کا گہرا فلسفہ نہیں، جو شاعری سے حظ اٹھانے میں حائل ہو جائے بلکہ اس میں محسوسات اور خارجی جذبات نگاری کا ڈرامائی انداز پایا جاتا ہے۔ عشق و محبت کے متعلقات کی تمام صورتیں ان کی شاعری میں موجود ہیں۔ نظیر خاص طور پر حسن کو مرکزِ نگاہ بنا کر انسانی جذبات اور تاثرات کو خوب وضاحت کے

ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ حسن اور متعلقاتِ حسن کا بیان اگرچہ شاعری کی جان ہے لیکن اس میں تاثر اور جذبات انگیزی کی فضا کا تخلیق کر لینا آسان نہیں۔ نظیر کے یہاں جذبات بھی ہیں اور تاثر بھی۔ ان کے تصورِ حسن میں سادگی اور بے تکلفی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بالکل وہی سادگی اور بے تکلفی جو اس تہذیب میں پائی جاتی ہے لیکن بسا اوقات وہ اس بے تکلفی میں معاملہ بندی سے بھی آگے نکل جاتے ہیں:

آپ لپٹ کشتی کی ہم سے بھی تو کر دیکھو ذرا
ہاں بھلا ہم بھی تو دیکھیں پہلوانی آپ کی
دیکھو کہنا مانو مت خالی سلائی سے رکھو
ورنہ کوسے گی ہمیں یہ سرمہ دانی آپ کی(۹)

نظیر اکبر آبادی نے فطرت کے دل کش مناظر کو بھی عکس محبوب میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ فطرت کی کتنی ہی تصویریں ان کے محبوب کی مرقع آرائی کا دل چسپ آرٹ بن گئی ہیں

"گویا جمالِ فطرت کو جمالِ محبوب میں جذب کر دیا گیا۔ شبِ چمن میں جو بہار آئی اس کی تکمیل شوخ محبوب کے حسن سے ہوتی ہے۔"(۱۰)

نظیر اکبر آبادی محبوب کا سراپا اتنی دل جمعی کے ساتھ تیار کرتے ہیں کہ چمن کا ہر رخ اس کے محبوب کا رخ روشن بن جاتا ہے:

کل ہم جو گئے باغ میں ٹک لطف اٹھانے
اور دل کو لگے سیر گلستاں کی دکھانے
اتنے میں کہوں کیا تجھے اے یار یگانے
بربود دلم درچمنے سروِ روانے
زریں کمرے ، سیمبرے ، روئے میانے(۱۱)

ان کی عاشقانہ شاعری ہجر و فراق کی اس تپش سے خالی ہے جو اُردو زبان کی شعری روایت کا مستقل حصہ ہے۔ وہ تڑپانے اور جلانے کی کیفیات کا شاعر نہیں ہے بلکہ شوخی شرارت اور لمس کی تلذذ اس کا خاصا ہے۔ تبسم کاشمیری نے یہ صحیح کہا:

"وہ عشق میں تلذذ کے سارے امکانات کا متلاشی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ دبستانِ لکھنؤ کی ذہنی فضا کے قریب ملتا ہے۔"(۱۲)

رضا جوئی، دید بازی، رازداریٔ محبوب، مجبوریٔ محبوب، لطف شباب ایسی نظموں میں جذبے سے زیادہ شوخی اور شرارت کا عنصر نمایاں ہے۔ نظیر اکبر آبادی فطرت اور اس کے خوب صورت مناظر کو علاحدہ ایک مستقل امر کے طور پر بھی دیکھ کر انبساط محسوس کرتے ہیں۔ ان کے ہاں فطرت کا ہر عمل انسانی زندگی کے ساتھ جڑت اور ایک قریبی رفاقت کو ممکن بنا رہا ہوتا ہے۔ اس رفاقت میں بسا اوقات دوئی کا تصور مٹ جاتا ہے اور کائنات کی یک رنگی میں انسان اور فطرت ایک ہو جاتے ہیں۔ کبھی اس آمیزش میں کش مکش اور حرارت بھی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کا نتیجہ مایوس کن نہیں ہوتا۔ بحر حال فطرت اور مناظر کی جتنی نو بنو تصویریں نظیر کی شاعری میں بنی ہیں، وہ سب ہی ڈرامائی اور افسانوی تاثر سے بھرپور ہیں اور زندگی آمیز ہیں جو منظر بھی سامنے لاتے ہیں وہ زندہ و جاوید ہے۔ الفاظ کی طاقت اور جزئیات کی ریزہ کاری ایک الگ گلشن ہے جو ان فطری مناظر کی پیش کش میں سجا ہوا ہے۔ وہ در حقیقت انسان کے شاعر ہیں

اور وہ بھی اس کے جمالیاتی تاثرات کے۔ ان کے ہاں فطری مناظر، برسات، بادل وغیرہ انسانی جذبات کو ابھارنے میں مہمیز کا کام کرتے ہیں۔

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاہٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں(۱۳)

نظیرؔ اکبر آبادی کی تخلیقی دنیا مشاہدے کی دنیا ہے۔ دیکھے ہوئے احوال کی دنیا ہے۔ اس میں رنگ، موسم، پرندے، انسان، جانور، میلے، تہوار، رسومات، تقریبات وغیرہ بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان میں داخلیت کا وہ پہلو نہیں جو کرب، درد اور فکر کو ہوا دیتا ہے بلکہ سجی سجائی اور بسی بسائی دنیا ہے جو گہما گہمی سے بھرپور ہے۔ یہ دراصل ہندوستانی تہذیب کی دنیا ہے جس کو نظیر نے تمام تر جمالیاتی پہلوؤں کے ساتھ اپنی شاعری کے صفحات پر سجا دیا ہے۔ ہولی، دیوالی، عید الفطر، بقر عید، راکھی، بسنت اور شبِ برات جیسی نظمیں خاص طور پر مذہبی اور تہذیبی رخ کی آئینہ دار ہیں۔ عزیز احمد کے بقول:

"وہ واحد اردو شاعر تھا جس نے ہندوستان کے گروہ در گروہ لوگوں سے ربط وضبط رکھا اور بلا امتیاز مذہب وملت سب کے مذاق پسند کے مطابق شاعری کی۔ اس کی روحانیت اس کی مفکرانہ اخلاقیات اور تمام کائنات سے بلا تکلف لطف اندوزی جس چڑیا، چوپائے اور میلے ٹھیلوں میں لوگوں کے اجتماعات میں شامل تھے مقبولِ عام نوعیت کی تھی۔"(۱۴)

وہ ایک صلح کل انسان تھے۔ انھوں نے دوالی، راکھی، کنہیا جی، بلدیو جی کا میلہ، مہادیو جی کا بیاہ شبِ برات اور عیدین جیسی نظمیں لکھیں جو ایک صلح کل رویے کی عکاس ہیں۔ یہ صلح کل رویہ مغلیہ تہذیب کا ایک روشن چہرہ تھا۔ نظیر عوام اور خواص کی تمیز کو نظر انداز کر کے سب کو زندگی کے دھارے میں مشغول دکھاتا ہے۔ بعض ثقہ حضرات کو شاید یہ برا بھی محسوس ہوتا ہو لیکن قلندرانہ فکر اور فقیرانہ وضع، جو ان کی شخصیت کا حصہ ہے، کا تقاضا یہی تھا کہ وہ زندگی کے میلے میں سب کو ایک جیسا پیش کرتے:

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلابوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھلکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودے ہیں کچھ اُچھلے ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشا عشرت کا ہر آن بسایا ہولی نے(۱۵)

"نظیر کو ہولی کی رنگ افشانی کے ساتھ ساتھ لوگوں کی آپس میں چہلیں، گانا بجانا، پھبتی اور گالی غرض ہنگامہ آرائی پسند تھی۔"(۱۶)

ہولی اور دوالی جیسی نظمیں کسی طرح کی ظاہر پرستی کا ثبوت نہیں بلکہ یہ سماج اور معاشرت کی حقیقت تھی جسے وہ بغیر کسی تصنع اور تکلف سے پیش کر رہے تھے۔ مہادیو جی کا بیاہ، جنم کنہیا جی اور درگا جی کے درشن قبیل کی نظمیں کہانیوں اور دیومالائی کرداروں کی

جمالیات کو پیش کرتی ہیں۔ نظیر نے اپنے ایک مخمس "شہر آشوب" میں اگرچہ بے روز گاری اور مفلسی کا حال بیان کیا ہے لیکن جمالیاتی نقطۂ نظر سے یہ شہر آشوب ہند مسلم تہذیب کی تاریخی آسودگی، صنعتی اور معاشی سکون کے گزرے زمانے کا عکاس بھی ہے۔ نظیر کو گلہ ہے کہ ان کے دور میں تباہی اور ویرانی عام ہو گئی ہے۔ وہ پیشہ ور جو کبھی اس تہذیب کے ماتھے کا جھومر تھے۔ اس کی معاشی ترقی کے امین تھے، اب بے روز گار ہو چکے ہیں:

"چھتیس پیشہ والوں کے ہیں کاروبار بند"

نظیر اکبر آبادی ان چھتیس پیشہ وروں کو نظم میں پیش کر دیتے ہیں۔ ان پیشہ وروں میں ملا، سپاہی، دلال، زر دار، پنساری، بٹئے، تار کش، ملاح، ساہوکار، جوہری، بساطی، نانبائی، بنیا، صراف، برہمن، کوتوال، چوکیدار، خدام، حجام، بھڑ بھونجے، دھنئے، جولائے، نقاش، مصور، صحاف، کاغذی، بیوپاری وغیرہ جیسے پیشہ ور شامل ہیں۔ ان پیشہ وروں کی اس تہذیب کے لیے خدمات ناقابلِ فراموش تھیں۔ یہی لوگ تھے جو اس تہذیب کو اپنے خون پسینے سے توانا، پر کشش اور رنگ دار بناتے تھے۔ نظیر کا کمال یہ ہے کہ وہ اس تہذیب کے اصل بنیاد گزاروں کو پہچانتا ہے، جو اس سماج کو حقیقی جمال عطا کرتے ہیں۔ یہ پیشہ ور بالآخر بیرونی غارت گروں کی تہذیبی یلغار اور مکاریوں کی وجہ سے ختم ہو کر رہ گئے۔

اُن کی شاعری میں حکایات اور روایتی کہانیوں سے دل چسپی اس کے جمالیاتی شعور کی آئینہ دار ہے۔ وہ تاریخ کی تمام متحرک روایات کو زبان عطا کرتا ہے۔ ہندوستان کی دھرتی کے اساطیری کردار جشن، کھیل کود نظیر کے یہاں تمدنی جمالیات میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہ نظیر کے آزادانہ شعور کا کمال ہے کہ وہ خوف اور ہیبت کا شکار نہیں مخالف قوم و مذہب کے کرداروں کو بیان کرنے کے ضمن میں اپنوں کا خوف اسے بالکل نہیں ہے۔ اس کے ہاں زندگی کے میلے سے لطف اندوز ہونے کی خواہش بعض اساطیری کرداروں کے ساتھ خاص لگاؤ کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ کرشن کی بانسری اسے بہت عزیز ہے، بابا گورونانک اور سلیم چشتی بھی اس کے اپنے کردار ہیں۔ مہادیو جی، بلدیو جی اور درگا جی بھی اس کی اپنی تہذیبی، فکری اور تمدنی جمالیات کے نمائندے ہیں۔ یوں ان سے متعلق روایات اور حکایات ہند مسلم تہذیب کی اصل جمالیاتی میراث ہیں جن کا ذکر کرنا نظیر اپنے لیے فخر سمجھتا ہے۔

پہلے نائوں گنیش کا لیجیے سیس نوائے
جا سے کارج سیدھ ہوں سدا مہورت لائے
بچن آنند کے پیم پیت اور چاہ
سن لو یارو دھیان دھر مہادیو کا بیاہ(۱۷)

ہندوستانی داستانوں اور اساطیر میں تحیر، خوف، دہشت، محبت، جنس اور مابعد الطبیعاتی تجربوں کی بے شمار جہتیں موجود ہیں۔

"ہند مغل جمالیات نے شاعری، مصوری، صور تگری، مجسمہ سازی، فنِ تعمیر اور عوامی گیتوں اور نغموں میں داستانیت کو شدت سے جذب کیا ہے۔"(۱۸)

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں اس داستانیت کی متنوع کیفیات کی عکاسی ملتی ہے۔ یہ تمام صورتیں ہندوستانی سماج کے کسی نہ کسی رخ کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ ہند مغل تہذیب خاص ہندوستان اور مختلف اسلامی ملکوں کی تہذیب و ثقافت سے مل کر بنی ہے۔ یوں اس میں موسیقی، مصوری، فنِ تعمیر، رقص و نقاشی اور شعر و ادب کی ملی جلی جمالیاتی جہتوں کی سحر انگیزی پائی جاتی ہے۔ نظیر اس جمالیاتی تہذیب کا نمائندہ شاعر ہے جو ہر زاویے اور رُخ سے اس تہذیب کی نمائندگی کا حق ادا کر دیتا ہے۔ وہ اس تہذیب کی جڑوں، شاخوں اور

ثمرات سے آشنا کر کے ہمارے طمانیت اور انبساط کے در کھول دیتا ہے۔ اس کی شاعری مابعد نو آبادیاتی عہد میں پیدا ہونے والے احساسِ کمتری کا مداوا کر سکتی ہے۔ وہ ہمارے احساسِ کمتری کے اوپر ضرب لگا کر ہماری تشویش اور تشکیک کو کسی قدر کم کر دیتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، لکھنؤ، مطبع نول کشور، س ن، ص:۲۹۳

۲۔ نیاز فتح پوری، نظیر میری نظر میں، مشمولہ، نگار، شمارہ:۱، جلد:۳۷، جنوری ۱۹۴۰ء، ص:۴

۳۔ شکیل الرحمٰن، نظیر اکبر آبادی کی جمالیات، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱

۴۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، دہلی، کتابی دنیا، ۲۰۰۳ء، ص:۳۳۴

۵۔ عبد المومن الفاروقی، مقدمہ، کلیاتِ نظیر، دہلی، کتابی دنیا، ۲۰۰۳ء، ص:۶۵

۶۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص:۵۴۱

۷۔ ایضاً، ص:۳۱۷

۸۔ اختر اورینوی، نظیر اکبر کی شاعری پر ایک عمومی تبصرہ، مشمولہ، نگار، شمارہ، ۱، جلد، ۳۷، جنوری ۱۹۴۰ء، ص:۶۹

۹۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص:۲۰۸

۱۰۔ شکیل الرحمٰن، نظیر اکبر آبادی کی جمالیات، ص:۴۲

۱۱۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص:۲۴۹

۱۲۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۵۶۹

۱۳۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص:۵۰۴

۱۴۔ عزیز احمد، اسلامی کلچر، ترجمہ، ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء، ص:۳۸۸

۱۵۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص:۴۲۷

۱۶۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، نظیر اکبر آبادی: ان کا عہد اور شاعری، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۷ء، ص:۳۳۔۳۴

۱۷۔ نظیر اکبر آبادی، کلیاتِ نظیر، ص:۶۷۲

۱۸۔ شکیل الرحمٰن، ادب اور جمالیات، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰۸

References in Roman Script:

1. Ram Baboo Saksena, Tareekh-e-Adab Urdu, Lucknow, Matbaa Nawal Kashor, S-N, P:293
2. Niaz Fatehpuri, Nazeer Meri Nazar Mein, Mashmoola: Nigar, Shumara:1, Jild:37, January1940, P:4
3. Shakeel-ur-Rehman, Nazeer Akbarabadi Ki Jamaliyat, New Delhi, Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zaban, 2003, P:11

4. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, Delhi, Kitabi Dunya, 2003, P:334
5. Abdul Moman Al-Farooqi, Muqadama, Kuliyat-e-Nazeer, Delhi, Kitabi Dunya, 2003, P:65
6. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, P:541
7. Same as above, P:317
8. Akhtar Orenvi, Nazeer Akbarabadi Ki Sha'eri Par Aik Amoomi Tabsra, Mashmoola:Nigar, Shumara:1, Jild:37, January 1940, P:69
9. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, P:208
10. Shakeel-ur-Rehman, Nazeer Akbarabadi Ki Jamaliyat, P:42
11. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, P:249
12. Dr. Tabassam Kashmiri, Urdu Adab ki Tareekh, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2003, P:569
13. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, P:504
14. Aziz Ahmad, Islami Culture, Tarjuma, Dr. Jameel Jalbi, Lahore, Idara Saqafat-e-Islamia, 1997, P:388
15. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, P:427
16. Dr. Abu-ul-Lais Siddiqui, Nazeer Akbarabadi:Unn Ka Ehad Aur Sha'eri, Karachi, Urdu Academy Sindh, 1957, P:33-34
17. Nazeer Akbar Abadi, Kuliyat-e-Nazeer, P:672
18. Shakeel-ur-Rehman, Adab Aur Jamaliyat, Delhi, Educational Publishing House, 2011, P:108